نورِ ایمان سے منوّر ضمیر کا اعجاز

شیخ یوسف القرضاوی

ترجمہ :- عبدالحمید صدیقی

انسان خود اپنے وضع کردہ قوانین کی پابندی سے بھاگتا ہے اور اُن کے اجراء و نفاذ پر ذاتی مفادات کے تحفظ کی خاطر سَو طرح کی تدابیر سوچتا ہے۔ مثال کے طور پر حکومتیں کارو بارِ سلطنت چلانے کے لیے ٹیکس عائد کرتی ہیں۔ امنِ عامہ بحال رکھنے اور معاشرتی جرائم کے سدِباب کے لیے قانونی تعزیرات نافذ کرتی ہیں۔ آپس کے معاملات کو درست رکھنے اور بیع و شریٰ کے صحیح انعقاد کی خاطر اصول و ضوابط طے کرتی ہیں۔ سیاست و حکمرانی کے باب میں ایسے اقدامات کی سختی سے ممانعت کر دی جاتی ہے جن سے ملک و قوم کا مفاد متاثر ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد عملاً ہوتا یہ ہے کہ قوانین و ضوابط کی کھلم کھلا مخالفت کی جاتی ہے۔ ٹیکسوں کی چوری اور جرائم کا ارتکاب سرِعام ہوتا ہے۔ قانون کا احترام نہ حکام کرتے ہیں اور نہ عوام ہی اس کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہوتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ لوگ قوانین کی افادیت و اہمیت کو سمجھنے کے باوجود ان سے انحراف کیوں کرتے ہیں؟ اس کا جواب صرف یہ ہے کہ اُن کا ضمیر بیدار نہیں ہوتا اور اسے ایمان کی حرارت نصیب نہیں ہوتی، کیونکہ جو ضمیر ایمان کی بدولت بیدار ہو چکا ہو اُس پر عقلِ عیار کا کوئی حیلہ کارگر نہیں ہو سکتا۔ آیئے ذرا اسلامی تاریخ کے اوراق اُلٹ کر دیکھیں کہ نورِ ایمان سے منور قلوب و ضمائر کس طرح زندگی کے ہر میدان میں انسان کی رہنمائی کرتے ہیں۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ میں ایک آدمی کے پاس گیا اور اُسے اپنے تمام اونٹ جمع کرنے کے لیے کہا۔ جب وہ سارے میرے سامنے حاضر کر دیے گئے تو میں نے حساب لگا کر اُسے بتایا کہ آپ کو صرف ایک سال کا بچّہ بطورِ زکوٰۃ ادا کرنا ہو گا۔ اُس نے کہا کہ ایک سال کا بچہ تو نہ دودھ دے گا، نہ سواری کے قابل ہو گا۔ آپ اس کے بجائے یہ جوان اور موٹی تازی اونٹنی لے جائیں۔ میں نے کہا کہ جس چیز کو لینے کا مجھے حکم نہیں دیا گیا اُسے کیسے لے

سکتا ہوں۔ ہاں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے قریب ہی ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو حضورؐ کے پاس چلے جاتے ہیں۔ پھر اگر آپؐ نے اسے قبول کر لیا تو میں وصول کر لوں گا، بصورتِ دیگر آپ کا مال آپ کو مبارک ۔ اس نے کہا ٹھیک ہے اور میرے ساتھ چل پڑا اور وہ اونٹنی جو مجھے پیش کر رہا تھا ساتھ لے لی۔ بارگاہِ رسالتؐ میں پہنچ کر کہنے لگا۔ "یا رسول اللہ آپ کا قاصد میرے پاس پہنچا تاکہ میرے مال کا صدقہ وصول کرے اور اس سے پیشتر میرے مال سے صدقہ وصول کرنے کے لیے نہ کبھی آپ تشریف لائے نہ آپ کا کوئی قاصد آیا۔ میں نے اس کے سامنے اپنے سارے اونٹ پیش کر دیے۔ اس کا کہنا ہے کہ ایک سال کا بچہ ادا کروں، لیکن وہ تو اللہ کے رسولؐ نہ دودھ دینے کے قابل ہوتا ہے نہ سواری کے۔ میں نے اس کے بجائے اُسے ایک جوان موٹی تازی اونٹنی دی مگر یہ اُسے لینے سے انکار کرتا ہے۔ اونٹنی میں اپنے ساتھ لے آیا ہوں اے اللہ کے رسول آپ قبول فرمالیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمہارے ذمہ واجب الادا صدقہ تو وہ بچہ ہی ہے تاہم اگر تم زیادہ دینا چاہتے ہو تو اس کا اللہ آپ کو اجر دے گا اور ہم اسے قبول کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے اس اونٹنی کو وصول کرنے کا حکم دے دیا اور اس صحابیؓ کے مال میں برکت کی دعا کی ——————

آپ نے غور کیا اس واقعہ میں فریقین کے اندر کونسا مقدس جذبہ کارفرما ہے؟ یہ ضمیر کی آواز تھی، اُس ضمیر کی جس پر ایمان کا رنگ چڑھ چکا تھا۔

حضرت ماعزؓ بن مالک مشہور صحابی تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ایک دفعہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور زنا کر بیٹھا ہوں۔ اب چاہتا ہوں کہ آپؐ مجھے پاک کر دیں"۔ رسولِ پاک نے فرمایا شاید تو نے چھیڑ چھاڑ کی ہو یا بوس و کنار کیا ہو، مگر حضرت ماعزؓ نے ہر بار تردید کر دی اور گناہ کا اعتراف کرتے رہے اور اس بات پر مُصر رہے کہ حد جاری کر کے انہیں پاک کیا جائے۔ بالآخر رسولِ پاک نے انہیں رجم کرنے کا حکم صادر فرما دیا اور حضرت ماعزؓ نے اپنے اوپر بخوشی حد نافذ کرائی رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔

اور یہ ایک مسلمان خاتون ہیں۔ رسولِ پاک کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتی ہیں۔ "اے اللہ کے رسول میں نے زنا کا ارتکاب کیا ہے مجھے پاک کر دیجیے"۔ رسول اللہ اسے لوٹا دیتے ہیں مگر اگلے دن وہ پھر آجاتی ہیں اور کہتی ہیں۔ "یا رسول اللہ آپ نے مجھے کیوں لوٹا دیا شاید آپ ماعز کی طرح مجھ پر سے حد کو ٹالنا چاہتے ہیں، بخدا میں حاملہ ہو گئی ہوں"۔ آپ نے فرمایا اگر یہ بات ہے تو اب چلی جا اور بچے کی پیدائش کے بعد

آنا۔ عورت چلی گئی۔ دن پر دن گزرتے گئے مگر اس کے ضمیر کی خلش نہ گئی گناہ سے پاک ہونے کا خیال اسے ہر وقت مضطرب رکھتا۔ آخر وضع حمل ہو گیا اور بچے کو لے کر وہ ایک بار پھر دربارِ رسالت میں حاضر ہو گئی۔ رسول اللہ نے فرمایا ابھی حد جاری نہیں کی جاسکتی۔ جا اور اس بچے کو دودھ پلا اور جب زمانۂ رضاعت گزر جائے اور بچہ روٹی وغیرہ کھانے لگے تو پھر آنا۔ بیدار ضمیر خاتون واپس چلی جاتی ہے اور پورے دو سال بچے کو دودھ پلاتی ہے مگر اس عرصے میں کبھی ایک لمحے کے لیے بھی اس کے دل و دماغ سے گناہ کا تصور محو نہیں ہوتا۔ وہ آخرت میں اس جرم کی سزا کا خیال کر کے کانپ کانپ جاتی ہے۔ آخر جب بچے نے دودھ پینا چھوڑ دیا تو وہ اس کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا دے کر رسول اللہ کی خدمت میں پھر پہنچ گئی۔ "یا رسول اللہ اب بچہ میرا دودھ نہیں پیتا۔ اب یہ کھانا کھانے لگا ہے"۔ اس کے بعد اجرائے حد میں مزید تاخیر نہیں کی جاسکتی تھی۔ چنانچہ آپ نے اسے رجم کرنے کا حکم دے دیا۔ حضرت خالدؓ بن ولید بھی اُن لوگوں میں سے تھے جو اسے پتھر مار رہے تھے انہوں نے اس کے سر پر پتھر مارا جس سے خون کے چھینٹے حضرت خالد کے چہرے پر جا پڑے۔ اس پر ان کے مُنہ سے گالی نکل گئی۔ اللہ کے نبی نے سُنا تو فرمایا۔ اے خالد رک جا۔ اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اس خاتون نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس کی توبہ کو مدینہ کے ستر گنہگاروں پر تقسیم کر دیا جائے تو سب کی مغفرت کے لیے کافی ہو۔ کیا اس سے افضل بھی کسی کی توبہ ہو سکتی ہے؟ اس نے تو خُدا کے لیے اپنی جان دے دی۔

کیا دُنیا کے کسی قانونِ تعزیرات کی اس درجہ اطاعت کی گئی ہے؟ نہیں اور یقیناً نہیں۔ دُنیا کے قوانین کا نفاذ فوج، پولیس یا حکومت کے دوسرے اہلکاروں کے ہاتھوں بجبر و اکراہ ہوتا ہے جس سے بچاؤ کی کئی صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں۔ مگر اسلامی قانون کی تنفیذ پر ایک مومن کو اس کا ضمیر مجبور کرتا ہے اور اس کی پکار پر لبیک کہنا ہی پڑتا ہے۔

اس کے بعد دو چار واقعات اور سُنئیے جن کا تعلق امانت و دیانت اور حسنِ معاملہ سے ہے اور جن سے متعلق قوانین پر عمل درآمد ایمان و ضمیر کے ماسوا کوئی طاقت نہیں کرا سکتی۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ بن الخطاب نے حکم جاری کر دیا کہ اشیائے خوردنی میں ملاوٹ قابلِ تعزیر جرم ہے۔ کوئی مسلمان مرد اور عورت یہ حرکت نہ کرے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا۔ جس نے دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں۔ اِدھر فاروقؓ اعظم کا یہ حکم تھا اور اُدھر ایک عورت اپنی

بیٹی سے کہہ رہی تھی دودھ میں پانی ڈال دو کچھ زیادہ پیسے وصول ہو جائیں گے۔ بیٹی نے ماں کو امیر المومنین کا حکم یاد دلایا تو ماں نے کہا امیر المومنین یہاں کہاں ہے؟ وہ ہمیں دیکھ تو نہیں رہا۔ بیٹی نے جواب دیا اگر امیر المومنین ہمیں نہیں دیکھتا تو خدا تو ہمیں دیکھ رہا ہے۔ اماں جان میں دودھ میں پانی ہرگز نہیں ملاؤں گی۔ یہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ دھوکا کرنا ہے۔ یہ سنگین جرم ہے۔

مؤرخ طبری نے ذکر کیا کہ جب مسلمان مدائن میں فاتحانہ داخل ہوئے تو انہوں نے مقبوضہ غنائم ایک جگہ جمع کر دیے۔ ایک صاحب آئے اور ایک بیش قیمت چیز خزانچی کو دے دی۔ لوگوں نے کہا ایسی بہترین چیز تو ہم نے آج تک نہیں دیکھی اور ہمارے پاس موجود اشیاء میں کوئی بھی اس کے برابر نہیں۔ آپ نے اس پر قبضہ کیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا اگر خدا کا خوف نہ ہوتا تو کبھی اسے تمہارے پاس لے کر نہ آتا۔ لوگوں نے سمجھ لیا کہ آدمی بڑے مرتبہ و مقام کا حامل ہے۔ استفسار کرنے لگے آپ کون ہیں؟ انہوں نے کہا میں یہ نہیں بتاؤں گا، نہ آپ کو اور نہ کسی اور کو۔ آپ میری مدح و تعریف کرنے لگیں گے حالانکہ میں نے یہ کام صرف خدا کی رضا کے لیے کیا ہے اور وہی تمام تعریفوں کا مستحق ہے۔ لوگوں نے ایک آدمی کو اشارہ کیا کہ اس کے پیچھے پیچھے جاؤ اور اس کے ساتھیوں سے اس کا نام معلوم کرو۔ اس نے ایسا ہی کیا تو پتہ چلا کہ آنجناب عامر بن عبد قیس ہیں۔

حضرت عبداللہ بن دینار نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ امیر المومنین عمرؓ ابن الخطاب کے ہمراہ مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں ایک مقام پر ہم نے رات گزاری۔ وہاں پہاڑ پر سے ایک چرواہا ریوڑ سمیت نیچے اترا اور ہمارے پاس سے گزرا۔ امیر المومنین نے اُسے کہا اے چرواہے ان میں سے ایک بکری میرے ہاتھ فروخت کر دے۔ اس نے جواب دیا میں غلام ہوں اور یہ آقا کا ریوڑ ہے۔ آپ نے بربنائے آزمائش فرمایا اُپنے آقا سے کہہ دینا کہ اسے بھیڑیا کھا گیا ہے۔ چرواہا بولا تو اللہ کو کیا جواب دوں گا۔ اس پر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رو پڑے اور صبح کے وقت اس غلام کے ساتھ گئے اور آقا سے خرید کر اسے آزاد کر دیا اور فرمایا اس کلمہ کی بدولت تجھے دُنیا میں تو آزادی نصیب ہو گئی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آخرت میں بھی یہ تجھے نجات دلا دے گا۔

اب ذرا امورِ سیاست و حکمرانی کی طرف آیئے اور دیکھئے کہ ایمان کا تربیت کردہ ضمیر کس طرح مسند حکومت پر فروکش عمّال کو راہ راست پر رکھتا ہے اور با اختیار ہونے کے باوجود ظلم و زیادتی کا ادنیٰ تصور بھی ان کے دماغ میں نہیں ابھرتا۔ نہ قومی دولت پر خود کو متصرف پاکر خیانت و بد دیانتی کا کوئی خیال ان کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔

امیرالمومنین عمرؓ بن الخطاب کے عہدِ خلافت میں ایک دفعہ قحط پڑ گیا۔ آپ نے اس عرصے میں معمول کا کھانا ترک کر دیا اور تیل یا روغن کے ساتھ روٹی چبا لیتے۔ نتیجتہً آپ کا رنگ سیاہ پڑ گیا۔ رفقائے کار نے یہ دیکھا تو عرض کیا۔ اے امیرالمومنین امورِ سلطنت کا بار آپ کے کاندھوں پر ہے۔ آپ اکل و شرب کے معاملے میں اتنا پرہیز نہ کریں، مبادا آپ کی صحت بالکل ہی جواب دے جائے۔ اس پر آپ نے فرمایا بئس الوالی انا ان شبعت و الناس جیاع۔ میں بدترین قسم کا حکمران ہوں گا۔ اگر خود سیر ہو کر کھاؤں اور لوگ بھوکے رہیں۔

اس زمانے میں آپ نے ایک دن اپنے خاندان کی ایک ننھی بچی دیکھی جو بھوک سے نڈھال ہو رہی تھی اور چلتے ہوئے گر گر پڑتی تھی۔ آپ نے پوچھا یہ کون ہے؟ آپ کے بیٹے عبداللہؓ نے جواب دیا میری بیٹی ہے۔ فرمایا اس کو کیا ہے؟ حضرت عبداللہؓ نے کہا۔ "سامانِ خورد و نوش آپ کے قبضے میں ہے جسے آپ نے ہم سے روک رکھا ہے، اسی کا نتیجہ ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں"۔ بیٹے کی شکایت سُنی تو آپ نے فرمایا عبداللہؓ میرے اور آپ کے درمیان فیصلہ کُن چیز اللہ کی کتاب ہے، بخدا میں آپ حضرات کو وہی چیز دے سکتا ہوں جس کا اللہ نے آپ کو حق دار بنایا ہے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ دوسروں کو اُن کے حقوق سے محروم کر کے تمہیں نوازتا رہوں اور یوں خدا و خلق کی نظروں میں خائن قرار پاؤں"۔

امامؒ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں عمرؓ فاروق کے کارہائے نمایاں اور عظیم الشان فتوحات کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے "آپ اللہ سے بہت زیادہ ڈرتے، سادہ زندگی بسر کرتے اور معمولی خوراک کھاتے تھے۔ بایں ہمہ دینِ حق کے تقاضوں کو پورا کرنے میں بڑے مستعد اور شدید تھے۔ سادگی کا یہ عالم تھا کہ لباس میں خود چمڑے کے پیوند لگا لیتے پانی سے بھرا ہوا مشکیزہ اٹھا لاتے، گدھے کی ننگی پشت پر سوار ہو جاتے، بہت کم ہنستے اور کبھی کسی سے مذاق نہ کرتے۔ آپ کی انگوٹھی پر یہ عبارت کندہ تھی۔ کفیٰ با لموتِ واعظاً یا عمر۔ اے عمر تیرے لیے موت کا ناصح کافی ہے۔

اور یہ امیرالمومنین علیؓ ابن ابی طالب ہیں۔ جعدہ بن ھبیرہ ان سے مخاطب ہے۔ "اے امیرالمومنین دو آدمی آپ کے پاس آتے ہیں۔ ان میں سے ایک آپ کو اپنے اہل و عیال اور مال و منال سے زیادہ محبوب رکھتا ہے جب کہ دوسرا آپ کی دشمنی میں اتنا بڑھا ہوا ہے کہ اگر اس کا بس چلے تو آپ کو ذبح کر ڈالے مگر آپ ہیں کہ دشمن کے حق میں اور دوست کے خلاف فیصلہ صادر فرما دیتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے سن کر فرمایا۔ جانبداری کا رویہ تو میں اُس صورت میں اختیار کر سکتا ہوں جب ذاتی منفعت میرے پیشِ نظر ہو مگر میرے تو سب کام اللہ

کے لیے ہوتے ہیں۔

امام شعبیؒ کہتے ہیں حضرت علیؓ کی زرہ گم ہو گئی۔ آپ کو معلوم ہوا کہ وہ ایک عیسائی کے پاس ہے۔ چنانچہ اُسے عدالت میں طلب کیا گیا۔ حضرت علیؓ نے بیان دیا کہ یہ زرہ میری ہے۔ میں نے اسے فروخت کیا ہے نہ ہدیۃً کسی کو دی ہے۔ قاضی شریح نے عیسائی سے کہا امیر المومنین نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کے بارے میں تم کیا کہتے ہو۔ عیسائی نے جواب دیا کہ زرہ میری ہے اور امیر المومنین محض جھوٹ بول رہے ہیں۔ قاضی نے جناب امیر کی طرف توجہ کی اور دریافت کیا آپ کے پاس کوئی ثبوت ہے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسکرا دیے اور فرمایا ثبوت تو میرے پاس کوئی نہیں۔ قاضی نے فیصلہ دے دیا کہ زرہ کا مالک عیسائی ہے، وہ زرہ لے کر چلا گیا ابھی چند ہی قدم گیا تھا کہ پھر پلٹ آیا اور کہنے لگا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ عین انبیاء و رسل کی تعلیمات ہیں۔ امیر المومنین عدالت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اپنے قاضی سے فیصلہ طلب فرماتے ہیں۔ مگر قاضی ان کے حق میں فیصلہ کرنے کے بجائے ان کے خلاف فیصلہ کر دیتا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اے امیر المومنین اس میں کچھ شک نہیں کہ زرہ آپ ہی کی ہے۔ آپ صفین جا رہے تھے کہ راستے میں آپ سے گر گئی تھی۔ حضرت علیؓ نے یہ سُنا تو فرمایا۔ "اب جب کہ تم نے اسلام قبول کر لیا ہے جاؤ میں نے آپ کو یہ زرہ بخش دی۔

یہ دولتِ ایمان سے مالا مال ضمیر تھا جو خلیفہ اور قاضی دونوں کی رہنمائی کر رہا تھا۔ خلفاء نے کبھی یہ کوشش نہ کی کہ قوت کے بل بوتے پر اپنا حق وصول کریں یا قاضی پر کسی طرح کا اثر ڈالیں تاکہ وہ فیصلہ ان کی مرضی کے مطابق دے۔ اسی طرح قاضی نے بھی یہ نہیں کیا کہ خلیفہ کی رضا جوئی کے لیے انصاف کا خون کرے۔ اسے اگرچہ یقین تھا کہ خلیفہ سچ کہتا ہے مگر تقاضائے عدل و انصاف یہ تھا کہ امیر و مامور دونوں کے ساتھ قانون کے مطابق مساوی برتاؤ کیا جائے۔

اور یہ اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ہیں جن کے بارے میں مالکؒ بن دینار کہا کرتے تھے "لوگ کہتے ہیں کہ مالک بڑا پرہیزگار ہے، میں بھلا کیونکر پرہیزگار ہوا۔ پرہیزگار تو عمر بن عبدالعزیز ہیں جن کے پاس دنیا منہ کھولے ہوئے آئی مگر انہوں نے اُسے جھٹک دیا۔

خلفائے بنی امیہ میں یہی وہ خلیفہ راشد تھے جن کے پاس صرف ایک قمیص تھی، میلی ہو جاتی تو اسی کو دھونے کے لیے دے دیتے اور جب تک وہ خشک نہ ہو جاتی آپ گھر پر ہی قیام فرماتے۔

ایک دن اپنے گھر تشریف لائے اور اہلیہ سے ایک درہم قرض مانگا تاکہ انگور خرید سکیں۔ مگر محترمہ کے پاس بھی نام خدا ہی تھا وہ کہاں سے دیتیں۔ کہنے لگیں آپ اچھے امیرالمومنین ہیں، آپ کے خزانوں میں انگور خریدنے کے لیے بھی کچھ نہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا: "میرے لیے آج محروم رہنا گوارا اور آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ کل نارِ جہنم کے طوق و اغلال میری گردن میں ہوں۔

آپ نے اپنے مختصر سے دورِ حکمرانی میں اس امر کی بھرپور کوشش کی کہ مظالم کا سلسلہ بند کر دیں اور حق داروں کو ان کے غصب شدہ حقوق لوٹا دیں۔ ان کی طرف سے روزانہ ایک منادی یہ اعلان کیا کرتا تھا "مقروض کہاں ہیں؟ تنگدست جو نکاح کے خواہش مند ہیں کہاں ہیں؟ یتامیٰ اور مساکین کہاں ہیں؟ میرے پاس آئیں تاکہ سب کی ضروریات پوری کر دوں۔ اس بے نظیر عدل و انصاف، کمال درجہ کے زہد و پرہیزگاری اور شدید نفسانی ریاضت کے باوجود آپ اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر دعا کیا کرتے تھے "اے اللہ عمر میں یہ اہلیت نہیں کہ تیری رحمت کا حق دار ثابت ہو سکے۔ لیکن تیری رحمت اتنی وسیع ضرور ہے کہ عمر کو اپنے دامن میں ڈھانپ لے۔

مسلمان امراء و حکام کے اندر یہ خدا خوفی کہاں سے آئی تھی؟ وہ مفادِ ملت کے پاسبان اور عدل و انصاف کے پیکر کیوں بن گئے تھے۔ صرف اس لیے کہ اپنا احتساب آپ کرنا ان کا شعار تھا اور اسی خود احتسابی کا نام ضمیر ہے۔ ضمیرِ بیدار کے امثلہ و شواہد کا بیان کچھ طویل ہوتا جا رہا ہے، لیکن ہم نے شروع میں عرض کیا تھا کہ زندگی کے ہر موڑ پر اور ہر میدان میں نورِ ایمان سے منور ضمیر انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے بعض شعبہ ہائے حیات سے متعلق مثالیں ہم پیش کر چکے ہیں اور بعض کا بیان ابھی باقی ہے۔

تجارت اور آپس کے لین دین میں ایک بندۂ مومن کا ضمیر اسے کس حد تک آمادۂ نفع و خیر خواہی رکھتا ہے اس کا اندازہ حسبِ ذیل واقعات سے کیجیے:-

امام غزالی نے احیاء العلوم میں نقل کیا کہ حضرت یونس بن عبید پارچات فروخت کیا کرتے تھے۔ ان کے پاس موجود بیش قیمت پارچات میں سے بعض کی قیمت چار سو درہم تھی اور بعض کی دو سو درہم۔ آپ اپنے بھتیجے کو دکان پر بٹھا کر خود نماز پڑھنے کے لیے تشریف لے گئے۔ ان کی عدم موجودگی میں ایک بدو آیا اور چار سو درہم والا حلّہ طلب کیا۔ آپ کے بھتیجے نے دو سو درہم والا حلّہ دکھایا جسے بدو نے پسند کیا اور خرید لیا۔ ابھی وہ چند ہی قدم گیا تھا اور حلّہ بھی اس کے ہاتھوں ہی میں تھا کہ سامنے سے حضرت یونس بن عبید آگئے۔ آپ نے حلّہ پہچان لیا اور سمجھ گئے کہ ان کی دکان سے خریدا گیا ہے۔ پوچھا کتنے میں خریدا۔ بدو نے کہا چار سو درہم میں۔ آپ نے فرمایا مگر اس کی قیمت تو دو سو درہم ہے۔ آؤ

اور یہ حُلّہ واپس کر دو، بدّو نے جواب دیا لیکن ہمارے علاقے میں تو اس کی قیمت پانچ سو درہم ہے اور میں چار سو میں خرید کر راضی ہوں۔ حضرت عبید نے کہا بھائی میرے ساتھ آیئے دین میں نصیحت و خیر خواہی کو دُنیا بھر کے مال و منال سے بہتر قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ اسے دُکان پر لے آئے اور دو سو درہم واپس کئے اور اپنے بھتیجے کو ڈانٹتے ہوئے کہا کہ تمہیں شرم نہ آئی، سو فیصد منافع لیتے ہوئے تم نے خدا کا خوف نہ کیا۔ تمہیں مسلمانوں کی خیر خواہی کا مطلق خیال نہ آیا۔ بھتیجے نے کہا "چچا جان! خدا کی قسم یہ صاحب تو چار سو درہم دے کر بھی راضی تھے"۔ "مگر تم جو قیمت اپنے لیے پسند کرتے ہو وہی اس کے لیے کیوں نہ کی"؟ حضرت عبید نے جواب دیا۔

ہو سکتا ہے آپ سوچ رہے ہیں کہ خیر خواہی کا یہ احساس صرف قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے اندر ہی موجود تھا۔ یہ سوچ درست نہیں۔ اس گئے گزرے زمانے میں بھی بہت سے روشن ضمیر ایسی اعلیٰ روایات کو قائم رکھے ہوئے ہیں مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنے ایک مقالہ میں تحریر فرمایا کہ حجاز کے ایک ثقہ بزرگ سے مجھے معلوم ہوا کہ مکہ کے تجار اپنے کاروباری ساتھیوں کے ساتھ حد درجہ اخلاص و ایثار کا برتاؤ کرتے تھے۔ اگر کسی تاجر کے پاس دن کے آخری حصے میں کوئی گاہک آتا اور تاجر یہ سمجھتا کہ آج میرا کافی مال فروخت ہو گیا ہے مگر فلاں دکان دار کی بکری بہت کم رہی ہے تو گاہک کو مشورہ دیتا کہ اس بازار میں فلاں دکان دار کے پاس وہ مال موجود ہے جو آپ مجھ سے خریدنا چاہتے ہیں آپ براہِ کرم وہاں تشریف لے جائیں۔ یوں ہر تاجر دوسرے کی خیر خواہی کرتا۔

آخر میں ایک دو واقعات بذل و انفاق کے بھی سُن لیجیے جن سے پتہ چلتا ہے کہ ایک باایمان اور باضمیر شخص کے نزدیک مال و دولتِ دُنیا کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ وہ اپنی ذات پر خرچ کرنے کے بجائے دوسروں پر خرچ کر کے زیادہ راحت اور خوشی محسوس کرتا ہے ——— امام مالکؒ نے موطا میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک مسکین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا جب کہ آپ روزہ سے تھیں اور گھر میں سوائے ایک روٹی کے اور کچھ نہ تھا۔ آپ نے اپنی کنیز کو حکم دیا کہ جاؤ اسے وہ روٹی دے دو۔ اس نے کہا تو پھر روزہ افطار کرنے کے لیے آپ کے واسطے کچھ نہ رہے گا۔ آپ نے فرمایا بس اسے وہ روٹی دے دو۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ ممکن ہے کوئی آدمی یہ خیال کرے کہ روٹی معمولی چیز تھی، اس لیے آپ نے اپنی ذات پر مسکین کو ترجیح دی تو ایسے حضرات کے لیے ہم اُمّ المومنین حضرت عائشہ ہی کا ایک اور واقعہ بیان کرتے ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ اسّی ہزار درہم حضرت عائشہ کی خدمت میں بھجوائے۔ اس وقت بھی آپ روزہ سے تھیں اور ایک پرانا سا لباس آپ نے زیب تن کر رکھا تھا۔ درہم وصول کرنے کے بعد اسی وقت

حضرت عائشہؓ نے انہیں فقرا اور مساکین میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک درہم بھی باقی نہ رہا۔ اُن کی خادمہ نے کہا: "اُم المومنین آپ ایک دو درہم کا گوشت ہی خرید لیتیں تاکہ ہمارے لیے رات کا کھانا تیار ہو جاتا اور آپ کی افطاری کا سامان بھی۔ ام المومنین نے فرمایا مجھے پہلے ذکر کیا ہوتا تاکہ میں کچھ بچا لیتی"۔ تو آپ نے غور فرمایا کہ وہ روزہ دار تھیں جس نے ایک روٹی کے لیے اپنے اوپر ایک مسکین کو ترجیح دی، جب اُس کے قبضہ میں اسی ہزار درہم آئے تو اُس وقت بھی فقرا و مساکین ہی کو اپنی ذات پر مقدم رکھا۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ بن الخطاب نے چار سو دینار ایک تھیلی میں باندھ کر اپنے لڑکے سے کہا کہ انہیں ابو عبیدہؓ بن الجراح کو میری طرف سے دینا، پھر دیکھنا وہ اس رقم کو کیا کرتے ہیں۔ لڑکا ان کی خدمت میں پہنچا اور عرض کی، امیر المومنین نے فرمایا ہے کہ آپ یہ رقم قبول فرمائیں اور اپنی کوئی ضرورت پوری کر لیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا اللہ امیر المومنین پر رحم فرمائے اور انہیں میل ملاپ کی توفیق دیے رکھے۔ بعد ازاں انھوں نے ایک لڑکی کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ یہ سات دینار فلاں آدمی کو دے آؤ، اور یہ پانچ دینار فلاں صاحب کے لیے لے جاؤ، اور یہ پانچ فلاں کے لیے، اسی طرح بھجواتے گئے تا آنکہ سب ختم ہو گئے۔ لڑکا واپس آیا اور حضرت عمرؓ کو اس کی خبر دی۔ کیا دیکھتا ہے کہ حضرت عمر نے اتنے ہی دینار حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے گن رکھے ہیں۔ لڑکے سے کہا جاؤ یہ چار سو دینار معاذؓ بن جبل کو دو، اور پھر گھر کے کسی کام میں مشغول ہو جانا اور دیکھنا کہ وہ اس رقم کو کیا کرتے ہیں۔ لڑکا ان کی خدمت میں پہنچا اور عرض کی امیر المومنین فرماتے ہیں۔ اُس رقم کو اپنی کسی ضرورت کے پورا کرنے میں صرف کر لیں۔ آپ نے رقم قبول فرمالی اور کہا اللہ امیر المومنین پر رحم فرمائے اور انہیں ربط و تعلق قائم رکھنے کی توفیق دے۔ پھر ایک لڑکی کو بلایا اور حکم دیا جاؤ فلاں آدمی کے گھر اتنے دینار دے آؤ، فلاں آدمی کے گھر اتنے اور فلاں کے گھر اتنے۔ آپ تقسیم فرما رہے تھے کہ آپ کی اہلیہ کو خبر ہوئی انھوں نے آ کر کہا واللہ ہم بھی تو غریب ہیں، ہمیں بھی کچھ دیجیے۔ اُس وقت کپڑے میں صرف دو دینار رہ گئے تھے۔ حضرت معاذ نے وہ گھر والوں کی طرف پھینک دیے۔ لڑکے نے جا کر ان کے متعلق بھی اطلاع کی۔ سن کر امیر المومنین بہت خوش ہوئے اور فرمایا یہ سب بھائی بھائی ہیں ایک دوسرے کے مشابہ اور ایک دوسرے کے لیے مثال۔

ایک دفعہ حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قافلہ تجارت مدینے میں وارد ہوا۔ قافلہ اتنا بڑا تھا کہ پورے مدینہ میں ہلچل مچ گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے شور و غوغا سنا تو پوچھا کیا ماجرا ہے؟ انہیں بتایا گیا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا قافلہ تجارت آیا ہے۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے حدیث بیان کی

کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا۔ آپ فرما رہے تھے کہ میں ایسے دیکھتا ہوں جیسے میں اور عبدالرحمٰن بن عوف پُل صراط پر اکٹھے ہوں۔ عبدالرحمٰن نیچے کی طرف مائل ہونے لگتے ہیں مگر پھر سیدھے ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ بچ جاتے ہیں، اگرچہ قریب تھا کہ . . . . جب یہ حدیث حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو پہنچی تو انھوں نے فرمایا "جتنے اونٹ سامانِ تجارت لے کر آئے ہیں یہ سب اور ان پر جو سامانِ تجارت لدا ہوا ہے وہ بھی اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ راوی نے بیان کیا کہ جو سامانِ تجارت اونٹوں پر لدا ہوا تھا وہ اونٹوں سے زیادہ مالیت کا تھا اور اونٹوں کی تعداد پانچ سو تھی۔

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک صاحب کی خدمت میں بکری کی سری ہدیۃً بھیجی گئی۔ انھوں نے قبول کر لی، پھر فرمایا فلاں آدمی مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہے، چنانچہ اس کی طرف بھیج دی۔ انھوں نے قبول کر کے ایک اور صاحب کے ہاں بھجوا دی جو ان کے خیال میں زیادہ حاجت مند تھا۔ اس طرح ہر وصول کرنے والا بکری کی سری کو آگے بھیجتا رہا حتیٰ کہ وہ پلٹ کر پھر پہلے صحابی کے پاس پہنچ گئی۔

اہلِ ایمان کا یہ بذل و انفاق اور اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت کو مقدم رکھنے کا احساس ایمان و ضمیر ہی کی بدولت پیدا ہوتا ہے اور اسی کی پیہم ترغیب و تحریک سے برقرار رہتا ہے۔

- سرزمین مسجد اقصیٰ کی دلخراش تاریخ
- عربوں کے خلاف اسرائیلی جارحیت کی داستان
- فلسطین پر یہودی کیسے قابض ہوتے؟
- یہودی جارحیت کی قدیم تاریخ اور جدید سازش
- ہرزل، وائزمین، لارڈ بلفور اور مجلسِ اقوام کی ریشہ دوانیوں کی تفصیل
- مزعومہ اسرائیلی ریاست کے حدود
- اسرائیلی ریاست کے قیام اور توسیع کا مدلل جائزہ
- آزادیٔ فلسطین اور یہودیوں کی سرکوبی کے لیے صحیح لائحہ عمل

ترتیب : مفکرِ اسلام مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

قیمت فی کاپی ۴۰ پیسے

پچاس پیسے کے ٹکٹ بھیج کر "سانحہ مسجد اقصیٰ" منگوا کر مطالعہ کیجیے۔

ادارۂ ترجمان القرآن ، اچھرہ ، لاہور